اسلامی ضابطۂ میراث واستحقاقِ میراث اور تقسیمِ میراث میں کوتاہی: ایک عظیم گناہ (۲)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان ☆

اسلامی نظامِ میراث کی حکمت

دورِ جاہلیت میں لڑکیوں اور بچوں کو عرب میں وراثت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا' اس لیے کہ یہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے اور دشمن کا مقابلہ کرنا ان کے بس میں نہیں۔ گویا اہلیت کا معیار جنگ پر تھا۔ اسلامی نظام قانون نے میراث کو قرابت کے اصول پر استوار کیا ہے۔ جس طرح قرابت کے مختلف درجے ہوتے ہیں' اسی طرح اقرباء کے حصص اور فرائض میں بھی فرق ہے۔ نظامِ میراث کو اسلام نے نظامِ قرابت پر اس لیے استوار کیا کہ اسلام اجتماعی تکافل کے نظام کی اکائی ایک خاندان کو قرار دیتا ہے۔ وہ سب سے پہلے ایک خاندان کے افراد کے درمیان باہمی کفالت کا نظام قائم کرتا ہے۔ ''حقوق ذمہ داریوں کی نسبت سے متعین ہوتے ہیں'' کے اصول کے تحت قریبی رشتہ داروں پر خاندان کے کسی غریب فرد کی بابت اس کی قرابت کے اعتبار سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں' جیسے قتل میں دیت کی ادائیگی بھی قرابت اور رشتہ داری کے اصول پر ہوتی ہے اور زخموں کی مرہم پٹی کی ادائیگی بھی قرابت کے اصول پر ہی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے پھر انصاف کا بھی تقاضا ہے کہ اگر کوئی رشتہ دار انتقال کر جائے اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو' تو اسے بھی اسی اصولِ قرابت کے تحت تقسیم کیا جائے۔ اسلامی نظامِ میراث کا اصل الاصول سماجی اور معاشرتی تحفّظ (سوشل سکیورٹی) ہے۔ اس کفالتی نظام کو شریعت نے ان اصولوں پر استوار کیا ہے جو نہایت مستحکم ہیں' نیز اس میں نفسِ انسانی کے فطری رجحانات کو بھی مدِّنظر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کے ان رجحانات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا' یہ فطری میلانات انسانی زندگی کے ارتقاء و بقا میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ایک خاندان کے اندر قریبی یا دور کے رشتوں کے جو رابطے ہوتے ہیں' وہ فطری روابط ہوتے ہیں۔ ان رابطوں کی تخلیق کسی ایک نسل یا معاشرے نے نہیں کی' بلکہ یہ قدرت کے ہاتھوں تخلیق ہوتے ہیں' چنانچہ ان سے کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے اسلام نے اپنے کفالتی نظام کی اکائی ایک خاندان کے کفالتی نظام کو

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

قرار دیا ہے اور پھر اس اکائی (unit) کو اپنے اجتماعی اور ملکی کفالتی نظام کا سنگ میل قرار دیا ہے۔ اگر کسی شخص کے تکافل میں یہ بنیادی اکائی کامیاب نہیں ہوتی اور خاندان اپنے کسی شخص کی کفالت میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر مقامی محلّہ اور معاشرہ اس کی کفالت کرتا ہے۔ اور اگر وہ بھی اس شخص کی کفالت میں ناکام رہتا ہے تو بالآخر اسلامی حکومت ایسے تمام افراد کی کفالت کی ذمہ دار ہے جو خود اپنا انتظام نہیں کر سکتے۔ اس انتظام کا فائدہ یہ ہے کہ تمام نادار لوگوں کے بندوبست کی ذمہ داری صرف حکومت کے کندھوں پر نہیں پڑتی۔ اس باہمی تکافل کے انتظام کے نتیجے میں افرادِ معاشرہ کے دلوں میں باہمی محبت والفت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور پھر باہمی تعاون اور اخوت کا اخلاقی رویہ پروان چڑھتا ہے۔ ایک خاندان کے اندر باہمی کفالت کا رویہ اور سوچ پروان چڑھنا اور ایک شخص کا یہ شعوری جذبہ بڑھنا کہ اس کی شخصی جِدّوجُہد اس کی اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے لیے ایک بہت مفید عمل ہے' ایسی شخصی جدوجہد اور محنت بالواسطہ پورے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلامی نظامِ حیات میں فرد اور جماعت کے درمیان فاصلے نہیں رکھے جاتے' اور اگر معاشرے کو ضرورت پڑے تو فرد کی تمام ملکیت پورے معاشرے کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس آخری اصول کی روشنی میں اسلامی نظامِ وراثت پر کیے جانے والے وہ تمام اعتراضات دور ہو جاتے ہیں' جن کے مطابق یہ نظامِ وراثت ان لوگوں کو بھی وراثت منتقل کر دیتا ہے جنہوں نے اس کے حصول کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کی ہوتی' جبکہ یہ وارث درحقیقت موروث منہ کا تسلسل ہوتا ہے۔ اگر یہی موروث منہ محتاج ہوتا اور یہ وارث مالدار ہوتا تو پھر اسلامی معاشرتی فرائض کے تحت وہ اس کی کفالت کرتا۔ اس کے علاوہ وارث اور مورث' خصوصاً مورث اور اس کی اولاد کے درمیان' صرف مالی رابطہ اور رشتہ نہیں ہوتا' بلکہ خونی رشتہ بھی ہوتا ہے جو کبھی ختم اور کٹ نہیں سکتا۔

آباء واَجداد اور دوسرے رشتہ دار اپنے بچوں' پوتوں اور دیگر اقرباء کو صرف مالی وراثت ہی منتقل نہیں کرتے' بلکہ وہ اپنی اچھی صلاحیتوں اور عادات نیز اپنی کمزوریاں اور بری عادتیں بھی منتقل کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے بچوں اور پوتوں کو بعض موروثی بیماریاں بھی منتقل کرتے اور اگر مکمل صحت مند ہیں تو اچھی صحت بھی منتقل کرتے ہیں۔ اسی طرح فضائل اخلاق یا رذائل اخلاق' اچھائیاں یا برائیاں اور ذہین ہونا یا غبی ہونا بھی وراثتاً ملتا ہے۔ اس لیے اب انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مورث کے پاس اگر کوئی مال و جائیداد ہے تو وہ بھی اس کے وارثوں کے حصے میں آئے۔ انسانی زندگی کے ان فطری اور واقعاتی حقائق اور دوسری تمام حکمتوں کی وجہ سے جو شریعت الٰہی میں پوشیدہ ہیں' اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث کا یہ ضابطہ عطا فرمایا ہے۔

اسلام کا نظامِ وراثت ایک نہایت ہی عادلانہ اور فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ نظام ہے اور یہ خاندانی زندگی کے عملی احوال کے لیے نہایت موزوں ہے۔ جب ہم اس نظام کا تقابلی مطالعہ دوسرے ان تمام نظاموں سے کرتے ہیں جو جاہلیتِ قدیمہ یا جدیدہ میں رائج رہے' تو اس دعوے کی حقیقت ہم پر کھلتی ہے۔ اس قانونِ میراث میں خاندان کی اجتماعی کفالت کے تمام مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ہر شخص کا حصہ خاندان کے اندر اس

کی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر متعین کیا گیا ہے‘ مثلاً والدہ اور والد جو ذی الفروض میں سے ہیں‘ اس کے بعد عصبات کو اہمیت دی گئی ہے‘ اس لیے کہ والدین کے نہ ہونے کی صورت میں کسی یتیم کی کفالت عصبات کے ہی ذمہ ہوتی ہے۔ یہ عصبات ہی ہیں جو دیت اور دوسرے اجتماعی تاوان ادا کرتے وقت حصہ داریاں اپنے سر لیتے ہیں۔ اس نظام کی اساس اس اصول پر ہے کہ خاندانی نظام ایک ہی بشر سے وجود میں آیا ہے‘ اس لیے اس میں نہ بچے محروم ہوں گے اور نہ ہی عورتیں‘ صرف اس وجہ سے کہ وہ کمزور عورتیں یا نابالغ بچے ہیں۔ اگر بوجوہ یہ نظام عملی ذمہ داریوں میں فرقِ مراتب کرتا ہے تو انسانیت کی اساس پر کوئی فرق مرتب نہیں کرتا۔ اس میں حقوق دیتے وقت مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا جاتا‘ فرق اگر ہے تو ان اجتماعی ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے جو اجتماعی خاندانی کفالت کے حوالے سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ یہ نظام انسان کے اس فطری تقاضے کے عین مطابق ہے جس کے تحت وہ اپنے والدین اور اپنی نسل کے ساتھ گہرا ربط رکھنا چاہتا ہے۔ اس نظام میراث کی وجہ سے ایک انسان مطمئن رہتا ہے کہ اس کی کمائی کا ثمرہ اس کی اولاد کو ملے گا اور وہ اس مال و جائیداد سے محروم نہیں رہے گی‘ ساتھ ساتھ اس کے والدین بھی اس میں حصہ دار ہوں گے۔ یہ اطمینان اس کی معاشی جدوجہد میں مزید اضافہ کرے گا اور معاشرہ بھی اس سے مستفید ہو گا۔

اسلام کا یہ ضابطۂ میراث دولت کو کسی ایک جگہ یا فرد کے پاس جمع نہیں ہونے دیتا‘ بلکہ اسے تقسیم کر کے گردش میں لاتا ہے اور چند ہاتھوں میں منجمد ہونے سے بچاتا ہے۔ گویا وراثت کے تحت مختلف حالات و معاملات میں ایک طرح سے گھرانہ اس سے مالی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح سے یہ نظام میراث فطرت انسانی کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔

[اس عنوان کی تیاری کے لیے فی ظلال القرآن از سید قطب شہید‘ مترجم سید معروف شاہ شیرازی‘ جلد اول‘ طبع چہارم‘ ۱۹۹۸ء‘ صفحات ۹۲۳‘ ۹۲۴‘ ۹۳۹‘ ۹۴۰‘ ادارہ منشورات اسلامی‘ ملتان روڈ‘ لاہور سے استفادہ کیا گیا ہے۔]

میراث کی تقسیم میں کوتاہی: ایک عظیم گناہ

اس چوتھے حق یعنی ''ورثاء میں تقسیمِ میراث'' کے بارے میں ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ تو جانتے ہی نہیں کہ مرنے والے کے مال کو ورثاء میں تقسیم کرنا چاہیے‘ اور جو لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک اہم دینی فریضہ ہے‘ ان میں سے بھی بدنصیبی سے اکثریت اس اہم اسلامی حکم پر صحیح معنوں میں عمل پیرا نہیں ہوتی۔ شریعت اسلامی میں تقسیم میراث کا حکم ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ وراثت کی تقسیم نہ کرنا اور دوسروں کا حصہ غاصبانہ طور پر اپنے قبضے میں رکھنا نہایت سنگین جرم اور گناہ ہے۔ اس حکم کی اہمیت کا اندازہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں اکثر احکامِ شرعیہ کے صرف اصول بیان کیے گئے ہیں‘ تفصیلات حضور اکرم ﷺ نے احادیث کی صورت میں اپنے قول و فعل سے مسلمانوں کو سمجھائی ہیں‘ لیکن بعض

احکامات کی اہمیت کے پیش نظر ان کی تفصیلات کو بھی قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے پورا بیان کیا ہے۔ وراثت کی تقسیم کا حکم بھی انہی احکام میں سے ایک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں یوں تو سارے انسانی حقوق کی پوری ادائی پر زور دیا گیا ہے' لیکن وارثوں کے حقوق ادا کرنے کی خصوصیت کے ساتھ تاکید آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یَا اَبَاهُرَیْرَةَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا، فَاِنَّهٗ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ یُنْسٰی، وَهُوَ اَوَّلُ شَیْءٍ یُنْزَعُ مِنْ اُمَّتِیْ))[۲۶]

''اے ابو ہریرہ! میراث کے احکام (علم الفرائض) سیکھو اور سکھاؤ' اس لیے کہ یہ نصف علم ہے اور یہ بھلا دیا جائے گا' اور سب سے پہلے میری امت سے یہی علم اٹھایا جائے گا۔''

میراث کو شریعت اسلامی کے مطابق انصاف سے تقسیم کرنا جنت کے اعمال میں سے ہے۔ ایک حدیث شریف میں وراثت کی تقسیم میں ظلم اور ناانصافی سے بچنے پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو' میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہو جاؤں گا۔ ان چھ چیزوں میں سے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''وراثت کی تقسیم میں ناانصافی مت کرو' اپنی طرف سے انصاف کرو''۔ (مجمع الزوائد) اس کے برخلاف کسی ایک وارث یا کچھ وارثوں کا پورے ترکہ پر قبضہ جمائے رکھنا اور میراث تقسیم نہ ہونے دینا یا تقسیم کرتے وقت بعض ورثاء کو محروم کرنا یا ان کو کم حصہ دینا ہرگز جائز نہیں' بلکہ سخت گناہ' غصب اور ظلم ہے۔

میراث تقسیم نہ کرنے اور دوسروں کے حق کھانے پر وعید

قرآن پاک میں ورثاء کے حصوں کو بیان اور واضح کرنے کے بعد اس کا انکار کرنے والوں یا اس میں ردّ و بدل کرنے والوں کے متعلق شدید وعید فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿١٤﴾﴾ (النساء)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (مقرر کی ہوئی) حدود سے تجاوز کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے گا' جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔''

احادیث مبارکہ میں بھی میراث غصب کرنے اور دوسروں کا مال ناحق کھانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ کریں:

(ا) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ))[۲۷]

"جس شخص نے ظلم کے ساتھ کسی کی ایک بالشت زمین بھی لے لی تو یہ زمین قیامت کے دن سات زمینوں تک طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈالی جائے گی۔"

(ب) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ فَرَّ مِنْ مِيْرَاثِ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۲۸)

"جس شخص نے کسی وارث کو میراث سے محروم کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت میں اس کے حصہ سے محروم فرمائیں گے۔"

(ج) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ، وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ))(۲۹)

"جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہے' اُس کی عزت یا کسی اور معاملے میں' تو آج ہی اس کو معاف کرا لے' اس دن کے آنے سے پہلے پہلے جس دن نہ درہم ہوں گے نہ دینار۔ (بلکہ اس دن یہ ہوگا کہ) اگر ظالم کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس نے اپنے بھائی پر جتنا ظلم کیا ہوگا' اس کے بقدر نیکیاں مظلوم بھائی کو دے دی جائیں گی' اور اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی (یا دوسروں کے دینے کے بعد ختم ہو چکی ہوں گی) تو پھر مظلوم کے گناہ اس ظلم کے برابر ظالم کے اوپر (اس کے نامہ اعمال میں) ڈال دیے جائیں گے۔"

(د) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ))(۳۰)

"اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے' لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔"

گویا کسی شخص کے انتقال کے بعد اوپر ذکر کیے گئے چار حقوق میں سے تین حقوق ادا کرنے کے بعد اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ جلد از جلد اس کی میراث تقسیم کی جائے کہ اسی میں عافیت' راحت اور خیر بھی ہے۔ اس وقت ورثاء کے دل میں مرنے والے کا صدمہ تازہ ہوتا ہے اور دل نرم ہوتا ہے' اسی لیے تقسیم میراث کا معاملہ بھی آسان ہوتا ہے' لیکن اگر فوری میراث تقسیم نہ کی جائے تو جتنی دیر ہوتی جائے گی اتنی ہی الجھنیں اور دشواریاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ حتیٰ کہ لڑائی جھگڑوں اور باہمی ناراضگیوں اور دشمنیوں تک نوبت پہنچتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے کہ جیسے جیسے مرنے والے کے بعد وقت گزرتا جاتا ہے اور صدمہ کم ہوتا جاتا ہے' دنیا اور مال کی محبت بڑھتی جاتی ہے اور باہمی اختلاف اور انتشار سر اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ شرعی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو انتقال کرنے والے کے بعد اس کے ایک سوئی کے برابر مال میں بھی تمام ورثاء حصہ دار اور شریک ہو جاتے ہیں اور ان سب کی آزادانہ رضامندی کے بغیر میراث کا استعمال کسی طور سے بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ورثاء میں نابالغ بھی شامل ہوں تو معاملہ مزید سنگین ہو

جاتا ہے‘ کیونکہ نابالغ کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں ہے۔ مالِ یتیم کھانے والوں کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰﴾ (النساء)

’’بے شک جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں‘ درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں‘ اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔‘‘

تقسیمِ میراث میں ہونے والی عمومی کوتاہیاں

ہمارے معاشرے میں مجموعی طور پر تقسیم میراث کے حوالے سے بے شمار کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں چند مشہور صورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے‘ تاکہ ان پر عمل پیرا نہ ہونے اور گناہ عظیم سے بچنے کی فکر پیدا ہو۔

(۱) والد کے ساتھ معاونت کرنے والے بیٹوں کا سارے کاروبار پر قبضہ جمائے رکھنا: متوفّٰی کی میراث تقسیم کرتے وقت اگر کاروبار سنبھالنے والے بیٹوں کا حصہ اتنا ہی بنے جتنی مالیت کا کاروبار ہے تو وہ دیگر ورثاء کی رضامندی سے اپنے حصے میں کاروبار کو سنبھال سکتے ہیں۔ تاہم فی زمانہ جو بیٹے والد کی زندگی میں اُن کے کاروبار سے منسلک رہتے ہیں تو والد کی وفات کے بعد وہ اس کاروبار کے مالک بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ کہتے پھرتے ہیں کہ شروع سے ہم نے کاروبار سنبھالا ہے اور اس میں ہماری محنت شامل ہے‘ لہٰذا یہ میراث میں شامل نہیں ہوگا‘ حالانکہ عام طور پر ایسے کاروبار میں بیٹوں کا اپنا ذاتی حصہ کوئی نہیں ہوتا‘ بلکہ وہ اپنی محنت کا مناسب عوض لے کر کام کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں شرعی لحاظ سے کاروبار والد کا ہی ہوتا ہے اور دیگر مال و جائیداد کی طرح یہ بھی ترکہ میں شامل ہوگا۔

(۲) گھر کے ساز و سامان پر بیوہ کا قبضہ کرنا: بعض مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ مرنے والے کے کاروبار‘ کارخانے اور دکان وغیرہ پر تو لڑکے قبضہ کر لیتے ہیں اور گھر کا جتنا ساز و سامان ہوتا ہے‘ وہ بیوہ کے قبضے میں آ جاتا ہے۔ وہ اس کی مالک بن کر بیٹھ جاتی ہے اور جس طرح چاہتی ہے اس میں تصرف کرتی ہے‘ اور جب تک بیوہ زندہ ہوتی ہے وہ میراث تقسیم نہیں ہونے دیتی اور تقسیم میراث کے مطالبے کو ماں کی نافرمانی شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جس طرح نرینہ اولاد کا جائیداد اور کاروبار پر قبضہ کرنا ناجائز ہے‘ اسی طرح بیوہ کا گھر کے کل یا تھوڑے سامان پر قبضہ جمانا اور اسے تقسیم نہ ہونے دینا غیر شرعی کام ہے۔ یہ تمام مال و جائیداد اور ساز و سامان سارے ورثاء کا حق ہے اور باپ کے انتقال کے بعد ماں کی زندگی میں میراث تقسیم کرنے کو اس کی نافرمانی سمجھنا ہرگز جائز نہیں‘ کیونکہ تقسیم میراث شریعت کا اٹل حکم ہے اور اس میں تاخیر سختی سے منع ہے۔

(۳) بیوہ سے مہر معاف کروانا یا اس کو مہر دے کر میراث کا حصہ نہ دینا: ایک یہ بھی رواج ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ سے (مہر نہ دینے کی صورت میں) زبردستی مہر معاف کروالیا جاتا ہے اور وہ بیچاری مجبور ہو کر بادلِ نخواستہ (شرما شرمی) مہر معاف کر دیتی ہے۔ یہ طریقہ ہرگز شرعاً جائز نہیں‘ بلکہ اس طرح اگر بیوہ مہر

معاف کر بھی دے تو وہ حقیقتاً معاف تصور نہیں ہوگا۔ اسی طرح بعض مواقع پر لوگ مہر تو معاف نہیں کرواتے' لیکن شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ کو میراث میں سے اس کا حصہ نہیں دیتے' بلکہ مہر ہی ادا کر کے جان چھڑا لیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی بالکل غلط ہے' کیونکہ شرعی لحاظ سے مہر کی ادائی بیوی کے میراث کے حصے کے علاوہ لازم ہے۔

(۴) دوسری شادی کی صورت میں بیوہ کو میراث کے حصہ کا ادا نہ کرنا: بعض جگہ یہ بھی دستور ہے کہ بیوہ اگر دوسرا نکاح کر لے تو اسے شوہر کی میراث کے حصے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیوہ یا تو تنہائی کی زندگی سے بچنے کے لیے دوسرا نکاح کر کے میراث سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اور یا پھر اپنا حصہ میراث محفوظ رکھنے کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی' عمر بھر بیوہ رہتی اور طرح طرح کی مصیبتیں اور آزمائشیں برداشت کرتی رہتی ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرا نکاح کرنے سے بیوہ کا حق میراث ہرگز ختم نہیں ہوتا اور دوسرے ورثاء کی طرح وہ بھی اپنے مقررہ حصے کی پوری طرح حق دار رہتی ہے۔

(۵) دوسرے قبیلے یا خاندان (برادری) کی بیوہ کو میراث سے محروم رکھنا: بعض خاندانوں میں یہ مکروہ رواج ہے کہ جو عورت شوہر کے قبیلے' برادری سے نہ ہو' اسے میراث کا حصہ نہیں دیتے۔ یہ بھی بہت بڑا ظلم' جہالت اور گناہ ہے۔ بیوہ ہر حال میں اپنے شوہر کی میراث سے حصہ دار ہے' خواہ وہ شوہر کے خاندان سے ہو یا کسی دوسرے قبیلے' خاندان اور برادری سے ہو۔

(۶) بہنوں کو میراث سے محروم کرنا: یہ گھناؤنا جرم اور بدترین رسم تو اکثر دیندار گھرانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ باپ کی میراث میں بہنوں کو حصہ نہیں دیا جاتا اور مختلف تاویلات کی بنیاد پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پدری میراث میں صرف بیٹے ہی حقدار اور حصہ دار ہیں۔ بعض لوگ جو بہنوں کو حصہ دار سمجھتے بھی ہیں' وہ بھی کسی نہ کسی حیلے بہانے سے بہنوں سے ان کا حصہ معاف کرا لیتے ہیں۔ ہمشیرہ یا ہمشیرگان مجبوراً بھائیوں کا بھرم رکھنے کے لیے زبانی طور پر یہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم اپنا حصہ چھوڑتی ہیں۔ اب بھائی صاحبان مکمل طور پر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس میراث اور ترکہ کے صرف ہم ہی حق دار ہیں۔

خوب سمجھ لیجیے' ایسا کرنا سراسر ظلم اور زمانہ جاہلیت کی رسم بد ہے۔ یہ صریحاً خلافِ شرع عمل ہے اور اس میں ہندوؤں کی ظالمانہ رسم اور رواج کی بھی تائید و ترویج ہے۔ اس طرح کی زبانی دستبرداری' حالات کے جبر اور شرماشرمی میں معاف کرنے کا شرعی لحاظ سے قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔ اس طرح حیلہ بازی کے ساتھ معاف کروانے سے بہنوں کا حق قطعاً ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی بھائیوں کے لیے ایسے بہنوں کا حصہ اپنے استعمال میں لانا حلال اور جائز ہوتا ہے۔ اب بھائیوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کھائیں' اس کے سامنے جواب دہی سے ڈرتے اور آخرت کی پکڑ سے بچتے ہوئے بہنوں اور دیگر تمام ورثاء کو ان کا پورا پورا حصہ علیحدہ علیحدہ کرتے ہوئے عملاً ان کے قبضہ اختیار میں دے دیں۔ اس کے بعد تمام حصہ داروں کو اختیار ہوگا کہ وہ اسے اپنے اوپر خرچ کریں یا کسی دوسرے کی ملکیت میں دیں۔ یہاں یہ حقیقت بھی ہمارے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات

کے مطابق حقوق اللہ کی معافی تو ہو سکتی ہے‘ اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر منحصر ہے‘ لیکن حقوق العباد کو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرمائیں گے‘ جب تک کہ متعلقہ شخص خود قلبی رضا مندی سے معاف نہ کر دے۔ میراث میں یہ کوتاہی‘ کمی بیشی اور غصب کا معاملہ حقوق العباد کے ضمن میں آتا ہے۔

(۷) شادی شدہ بہنوں کو میراث میں حصہ دار نہ بنانا: ایک اور غلط رواج یہ بھی ہے کہ غیر شادی شدہ بہنوں کو تو میراث میں سے حصہ دے دیا جاتا ہے‘ لیکن شادی شدہ بہنوں کو میراث میں حصہ دار نہیں بنایا جاتا۔ ان کے مطالبہ کرنے پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ والد نے تمہاری شادی کے موقع پر جو جہیز وغیرہ تیار کر کے دیا تھا‘ اس سے تمہارا حق اور حصہ ادا ہو گیا۔

خوب یاد رکھئے‘ یہ سوچ بھی قطعاً غلط اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں لڑکیوں کا جو حصہ مقرر فرمایا ہے‘ اس میں شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہونے کی کوئی قید اور شرط نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی میں باپ اپنی ساری یا کچھ اولاد کو جو کچھ بھی دیتا ہے‘ وہ ہدیہ اور تحفہ کے ذیل میں آتا ہے‘ اس کا میراث سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ میراث تو وہ مال واسباب ہوتا ہے جو انسان مرتے وقت چھوڑ جاتا ہے اور اس میں سارے ورثاء اپنے اپنے مقررہ حصوں کے مطابق حق دار ہوتے ہیں۔ اس لیے زندگی میں کسی وارث کو تھوڑا یا زیادہ دینے سے میراث میں سے اس کا حصہ کسی طور سے بھی ختم نہیں ہو پاتا‘ اس لیے شادی شدہ بہنیں بھی اپنے مقررہ حصے کی پوری طرح سے حق دار ہیں۔

(۸) مشترکہ ترکہ اور میراث میں سے کوئی چیز یادگار کے طور پر رکھنا یا صدقہ کرنا: کئی مواقع پر کچھ ورثاء ترکہ کی تقسیم سے پہلے میت کی یادگار کے طور پر کسی چیز کو معمولی یا بابرکت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور دوسرے ورثاء سے اس کی اجازت نہیں لی جاتی۔ اسی طرح میت کے ایصالِ ثواب کے لیے مشترکہ ترکہ ہی سے مال خرچ کیا جاتا ہے‘ حالانکہ تمام ورثاء کی دلی رضامندی کے بغیر اس طرح کرنا جائز نہیں‘ اگرچہ وہ معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر ورثاء میں سے کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت یا معافی بھی شرعاً معتبر نہیں۔ البتہ اگر سب وارث‘ عاقل و بالغ ہوں اور باہمی رضامندی سے کسی وارث کو کوئی چیز زائد دے دیں یا جائز طریقے سے صدقہ کر دیں تو اس کی شرعی اجازت ہے۔

(۹) میراث کو سرے سے تقسیم ہی نہ ہونے دینا بلکہ اس کی تقسیم میں رکاوٹ ڈالنا: ایک اور بڑی کوتاہی دیندار گھرانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ باپ کے گھر‘ کاروبار یا زراعت وغیرہ پر جو حصہ دار قابض ہوتے ہیں یا ہو جاتے ہیں‘ وہ اپنے مفاد کی خاطر ترکہ اور میراث کو تقسیم نہیں ہونے دیتے‘ تاکہ زیر قبضہ اور تصرف چیز‘ مال یا حصہ ان کے قبضے سے نہ نکل جائے اور وہ اس سے ہونے والے نفع سے محروم نہ ہو جائیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾﴾ (الفجر)

’’اور تم میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو‘ اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔‘‘

ایک حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وراثت کی تقسیم میں ناانصافی مت کرو، اپنی طرف سے انصاف کرو۔'' (مجمع الزوائد)

اس صورت میں اگر کوئی ایک یا دو وارث تقسیم میراث کا مطالبہ کریں تو باقی قابض ورثاء ان کو برا بھلا کہنے اور ان کی تحقیر کرنے لگ جاتے ہیں، گویا انہوں نے کسی غلط چیز کا مطالبہ کر دیا یا کوئی گناہ کی بات کہہ دی اور جرم کر دیا ہے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ سارے ورثاء کے دلی رضامند ہونے کی صورت میں تو تقسیم میراث کے عارضی التوا کا جواز شاید نکل سکتا ہو، لیکن اگر کوئی ایک وارث بھی تقسیم میراث کا مطالبہ کرے تو اس کی فوری تقسیم لازمی ہو جاتی ہے۔ اب اگر دوسرے ورثاء دیر کریں گے تو اللہ عزوجل کے ہاں مجرم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت اسلامی کے مطابق عدل و انصاف کے ساتھ میراث تقسیم کرنے اور اس میں ہونے والی غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

[اس عنوان کی تیاری میں درج ذیل مضمون سے مدد لی گئی ہے:

— میراث کی تقسیم میں کوتاہی، ایک بڑا گناہ از مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی (۲ اقساط)

— روزنامہ اسلام، ۳۰، ۳۱ جنوری، ۲۰۱۸ء]

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب رثاء النبی ﷺ من سعد بن خوله، ح۱۲۱۶۔وصحیح مسلم، کتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، ح ۱۷۱۵۔

(۲) معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ، ج ۲، ص ۳۰۹ تا ۳۱۰، طبع جدید، مئی ۲۰۱۵ء، مکتبہ معارف القرآن، کراچی

(۳) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ، ترجمہ متن پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، ج ۲، ص ۲۶۳، طبع جون ۲۰۱۰ء، بار چہارم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

(۴) معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیعؒ، ج ۲، ص ۳۰۹ تا ۳۱۳، طبع جدید۔

(۵) تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ج ۱، ص ۳۱۴، طبع چہارم، جون ۱۹۸۴ء، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

(۶) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ج ۲، ص ۳۱۲ تا ۳۱۴، طبع جدید، مئی ۲۰۱۵ء

(۷) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، مترجم متن پیر محمد کرم شاہ الازہری، ج ۲، ص ۲۶۴ تا ۲۶۵، طبع جون ۲۰۱۰ء بار چہارم۔

(۸) تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ج ۱، ص ۱۴۰ تا ۱۴۱۔

(۹) معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ج ۲، ص ۳۱۴، طبع جدید، مئی ۲۰۱۵ء۔

(۱۰) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ترجمہ متن از پیر محمد کرم شاہ الازہری، ج ۲، ص ۲۶۵ تا ۲۶۶، طبع جون ۲۰۱۰ء، بار چہارم۔

(۱۱) تفسیر ابن کثیر، جلد ۱۔

(۱۲) سنن ابن ماجه، کتاب الآداب، باب حق الیتیم۔
(۱۳) معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیعؒ، ج ۲، ص ۳۱۴۔
(۱٤) رواه ابن جریر وابن ابی حاتم وتهذیب الآثار، مسند عبدالله بن عباس رضی الله عنهما
(۱۵) رواه ابن ابی شیبه وابن ابی حبان و ابن ابی حاتم، کنز العمال۔
(۱۶) تفسیر مظہری (مترجم) از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ج ۲، ص ۲۶۶ تا ۲۷۶
(۱۷) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ترجمہ متن از پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد دوم، ص ۳۴۸ تا ۳۵۰، بار چہارم ۲۰۱۰ء، طبع ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
(۱۸) تفسیر ابن کثیر، اردو، جلد اوّل، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۵۸۸ تا ۵۹۰، شائع کردہ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
(۱۹) قرآن کریم، اردو ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیری حواشی از مولانا صلاح الدین یوسف، سورۃ النساء، ص ۲۱۹، ۲۲۰، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مملکت سعودی عرب
(۲۰) تفسیر سورۃ النساء، از پروفیسر میاں منظور احمد، ص ۱۹۳ تا ۱۹۶، علمی کتاب خانہ، لاہور
(۲۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الفرائض، ج ۱۱۳۵۔
(۲۲) سنن الترمذی، ابواب الفرائض، ج ۲۱۸٤۔
(۲۳) سنن ابن ماجه، کتاب الوصایا، باب الحیف فی الوصیة۔
(۲٤) روح المعانی۔
(۲۵) سنن ابی داوٗد، کتاب الوصایا۔
(۲٦) سنن ابن ماجه، ح: ۲۷۱۹۔ معجم الاوسط للطبرانی، ح: ۵۲۹۳۔
(۲۷) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع ارضین۔ وصحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم الظلم......
(۲۸) سنن ابن ماجه، کتاب الوصایا، باب الحیف فی الوصیة۔
(۲۹) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامة۔
(۳۰) سنن ابی داوٗد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیة للوارث۔

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ وترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

نام کتاب : مکالمہ

تالیف : ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

پبلشر : دارالفکر الاسلامی

تاریخ اشاعت: جنوری ۲۰۱۸ء' صفحات:808' قیمت:1000 روپے

ملنے کے پتے: ☆ مکتبہ اسلامیہ' ہادیہ حلیمہ سنٹر' غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور

☆ مجلس تحقیق اسلامی' J-99 ماڈل ٹاؤن لاہور

برادرم حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے توسط سے ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کی ایک ضخیم کتاب ''مکالمہ'' موصول ہوئی جسے میں لاہور سے لندن پہنچتے ہی پہلے دن اپنی تھکن اتارنے کے ساتھ ساتھ پڑھتا رہا۔ ''مکالمہ'' عنوان ہے لیکن اس کتاب میں علم وادب' سائنس و مذہب' معاشیات ومعاشرت' فلسفہ واخلاق' سیاست اور نفسیات اور سب سے بڑھ کر فتاویٰ اور علمی جوابات' کہیں اختصار اور کہیں طوالت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

ایک خوشگوار حیرت ہوئی کہ ایک عربی مدرسے کی بنیادی اٹھان رکھنے والے طالب علم نے قرآن اکیڈمی لاہور سے رجوع الی القرآن کورس کرنے کے بعد ایم اے' پی ایچ ڈی کے مراحل طے کرتے کرتے اپنے مطالعہ کی بے پناہ وسعت' گہرائی اور گیرائی کی بدولت ایسے ایسے مشکل مقامات پر خامہ فرسائی کی ہے جو ایک عبقری ذہن اور ماہر فن کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ جاری رہے گا' جتنا کچھ ایک دن کی ورق گردانی میں دیکھا اور بھالا وہ صاحب کتاب کے معتدل مزاج کا آئینہ دار دکھائی دیا۔ جہاں انہوں نے مولانا مودودی' مولانا وحید الدین خان اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسے عباقرۂ فکر کی توصیف اور مدح سرائی کی ہے وہاں ان کے بعض خیالات اور افکار سے اختلاف کو بھی بیان کیا ہے' جاوید احمد غامدی کے شطحات کا کھل کر پوسٹ مارٹم کیا ہے' ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ وحدت الوجود کی وضاحت کی ہے کہ وہ ابن عربی کے نظریہ کا چربہ نہیں ہے' پھر اس پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار بھی کیا ہے۔ مولانا مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' پر تنقید کی وکالت کی ہے۔ الحاد اور جدیدیت کے اسباب وعلل کو اجاگر کیا ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین امتیازی صفات کو بڑی باریک بینی سے بیان کیا ہے کہ جس سے

اچھے اچھے علماء بھی بے خبر رہے ہوں گے۔ مذہب اور ریاست کے باہمی تعلقات پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ نفسیات پر گفتگو کرتے ہوئے خوابوں کی تعبیر، تخلیہ روح اور مراقبہ جیسے دقیق مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

بیوہ عورت کی عدت کی حکمت کے بارے میں کوئی سیر حاصل قول ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ کہنا مناسب ہوتا کہ مطلقہ کی عدت تین حیض (یا تقریباً تین ماہ) رکھی گئی ہے کہ عورت اگر حاملہ ہو تو اس کا حمل اس مدت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں عدت وضع حمل تک جاری رہتی ہے اور اگر عورت نے حمل کو ظاہر نہ بھی ہونے دیا تو شوہر چونکہ موجود ہے، اس لیے وہ اپنے حقوق کے لیے قانونی کارروائی کر سکتا ہے، برخلاف بیوہ عورت کے، کہ اس کا شوہر وفات پا چکا ہے اور اپنے حق کے دفاع کے لیے موجود نہیں ہے، اس لیے بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن رکھی گئی ہے کہ تجربہ اور علم یہ بتاتا ہے کہ اگر عورت اپنا حمل چھپا بھی لے تو چار ماہ سے متصل دس دنوں میں ہر صورت حمل کے آثار ظاہر ہو جائیں گے، چونکہ جنین میں نفخ روح ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اگر چاہے بھی تو اپنا حمل چھپا نہیں سکتی ہے۔

مؤلف کتاب نے یورپین کونسل برائے فتویٰ وریسرچ کی کاوشوں کا باندازِ تحسین ذکر کیا ہے اور کاتب سطور چونکہ اس کونسل کا ابتدا سے رکن رہا ہے اس لیے مؤلف کے بیانیہ کا شاہد بھی ہے۔ سودی بینکاری کے ضمن میں صاحب کتاب نے فریکشنل ریزرو بینکنگ کی قباحتوں کا ذکر کر کے اس نظام کی دکھتی رگ کو چھیڑا ہے اور جس کا ذکر کرنے سے بینکنگ کی کارروائیوں کو مہر تصدیق عطا کرنے والے تمام علماء وفقہاء اور مشیرین کتراتے ہیں۔ اس نکتے کو سب سے پہلے طارق دیوانی نے اپنی کتاب (Problem with Interest) میں پیش کیا تھا اور اب کئی ماہر اقتصادیات اس کی تائید کر رہے ہیں۔ مصنوعی پیسے کی اس فراوانی کو جب تک ختم نہیں کیا جاتا، اسلامی بینکنگ کا رائج الوقت سودی بینکاری سے مختلف ہونا پایۂ ثبوت کا محتاج رہتا ہے۔ اسلامی بینکاری کے پیش کردہ تجارتی سودے جیسے مرابحہ، اجارہ، تورّق رائج الوقت بینکاری کے مارگیج سے بظاہر مختلف نظر آتے ہیں، لیکن بباطن پرانی شراب کو نئی بوتلیں فراہم کرتے نظر آتے ہیں۔

مؤلف نے پاکستانی جامعات کے طریق کار پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔ فنونِ لطیفہ کے بارے میں عمومی طور پر اور ناول نگاری کے بارے میں خصوصی طور پر حافظ صاحب نے جن پر مغز خیالات کا اظہار کیا ہے وہ مدارس کے طلبہ کے ذوق مطالعہ کے لیے مہمیز ثابت ہو گا کہ ان میں سے اکثر اس شجر ممنوعہ کے بارے میں لاعلم رہتے ہیں۔

مذاہب ومسالک کے ضمن میں سلفی، اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی، صوفی کے مابین محاکمہ اگرچہ ایک بہت مشکل موضوع ہے لیکن حافظ صاحب نے اسے نہایت عمدگی سے نمٹایا ہے۔ جن معرکۃ الآراء مسائل میں حافظ صاحب کے سیال قلم نے موتی بکھیرے ہیں، ان میں سے چند مسائل کے عنوانات کا تذکرہ کرتا چلوں:

(۱) رضاعت کبیر کا مسئلہ کہ جید علماء بھی اسے ہاتھ لگاتے ڈرتے ہیں لیکن یورپ کے مسلمانوں کے لیے یہ واقعی ایک سنجیدہ مسئلہ ہے کہ جہاں لاوارث مسلمان بچوں اور بچیوں کو گود لینے (adoption) یا صرف کفالت (fostering) کرنے کے دونوں اختیارات میں سے اول الذکر کو اختیار کرنے میں محرمیت کے وہ

مسائل جنم لیتے ہیں جن کے حل کے لیے رضاعت کبیر کا مسئلہ توجہ کا مستحق ہے۔

(۲) حضرت عائشہ ؓ کی بوقت زواج عمر کا مسئلہ اہلِ علم میں اکثر موضوعِ بحث رہا ہے۔ حافظ صاحب نے سید سلیمان ندوی کی تحقیق کو حتمی قرار دیا ہے۔ مسلمانانِ مغرب میں بھی اس حسّاس موضوع کو قابل بحث روا رکھا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں بعض دعوتی تنظیموں کی طرف سے اس موضوع کے دوسرے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے' اس لیے بہتر ہے کہ اسے قابلِ تحقیق رہنے دیا جائے۔

(۳) وراثت کے مسئلہ پر سیدہ فاطمہ ؓ کی حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ناراضگی: مؤلف کتاب نے یہ بات تو بخوبی واضح کر دی ہے کہ حضرت فاطمہؓ وفات سے قبل حضرت ابوبکرؓ سے اپنی ناراضگی دور کر چکی تھیں لیکن بعض روایات کے ان الفاظ کہ ''فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى مَاتَتْ'' کی یہ توجیہہ بھی کر دی جاتی تو بہتر ہوتا کہ انہوں نے خاص اس مسئلہ میں اپنی وفات تک دوبارہ حضرت ابوبکرؓ سے کوئی بات نہیں کی' نہ یہ کہ وہ مطلق بات کرنے سے گریز کرتی رہیں۔

(۴) غزوۂ ہند کی روایات پر محدثانہ نقطۂ نظر سے سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

(۵) سیدنا حسین ؓ کے خروج کی توجیہہ ایک قابلِ قبول انداز میں کی گئی ہے جو قابلِ ستائش ہے۔

(۶) ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے میں مؤلف نے امام ابن تیمیہؒ کے مسلک کی حقانیت کو واضح کیا ہے۔ اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو سے اکثر علماء اغماض برتتے ہیں اور وہ یہ کہ دورانِ عدت دوسری یا تیسری طلاق دینا بھی قرآن میں بتائے گئے طریقہ طلاق کے منافی ہے۔ سورۃ الطلاق کی پہلی دو آیات سے واضح ہوتا ہے کہ عدت صرف دو اعمال کی متحمل ہو سکتی ہے اور وہ ہے شوہر کا رجوع کرنا یا نہ کرنا۔ اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو پھر عدت گزرنے دے تاکہ طلاق کا عمل پورا ہو سکے' گو ہر طہر میں ایک اضافی طلاق دینا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے ایک قول کی بنا پر جائز ٹھہرایا گیا ہے اور اسے طلاق حسن (بمقابلہ طلاق احسن) قرار دیا گیا ہے۔ لیکن شادی کے مضبوط بندھن کا ازدواجی زندگی کی ضرورت و اہمیت اور خاص طور پر بچوں کی موجودگی میں اس اہم رشتے کی بقا کا تقاضا ہے کہ اقوالِ صحابہؓ میں سے اس قول کو ترجیح حاصل ہو جو قرآن وسنت کے واضح احکامات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔

مؤلف کتاب نے اپنے استاد حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی فقاہت اور دیانت کا والہانہ انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ شیخ مدنی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کے ایک شاگرد رشید نے یہ علمی مرتبہ پایا ہے جو بہت سوں کے لیے قابل رشک ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ جس طرح ایک پیڑ اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے' اسی طرح ایک استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ!

میں حافظ محمد زبیر کو ان کی اس علمی و دعوتی کاوش پر بھرپور مبارک باد دیتا ہوں اور ان کے لیے راہِ استقامت پر قائم و دائم رہنے کی دعا کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں۔

(۲)

نام کتاب : بنگلہ دیشی اور ارکانی مہاجرین

مصنف : مولانا محمد صدیق ارکانی

ضخامت: 70 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: جمعیت خالد بن ولید الخیر یہ ارکان برما (میانمار)

برائے رابطہ: مولانا عنایت اللہ، دفتر ماہنامہ ''حق نوائے احتشام''، جامعہ احتشامیہ، جیکب لائن، کراچی

اس کتابچے کے مصنف عالم دین ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے مولانا تنویر الحق تھانوی کی معیت میں بنگلہ دیش کا سفر کیا اور وہاں ایک ماہ تک سیاحت کی۔ سیاحت کے دوران انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ اس کتابچے میں تحریر کر دیا ہے۔ اس طرح ان کا یہ سفر نامہ بنگلہ دیش کا تفصیلی تعارف کرتا ہے۔ اس کتابچے میں انہوں نے سقوطِ ڈھاکہ (۱۶دسمبر۱۹۷۱ء) کے سانحے کی وجوہات، اسباب اور واقعات لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ موجودہ بنگلہ دیش کے متعلق درج ذیل معلومات بھی دی گئی ہیں: اگرتلہ سازش کیس، آپریشن سرچ لائٹ، بنگلہ دیش کے مشہور شہر، سیاسی جماعتیں، بڑے بڑے دینی مدارس، نامور علمائے دین، چند دیگر معروف شخصیات، ڈھاکہ کا فاصلہ دوسرے شہروں سے، بنگلہ دیش کے اضلاع اور ڈویژن، ملک کے سربراہان کی فہرست دسمبر۱۹۷۱ء سے اب تک۔

کتابچے میں جگہ جگہ برما کے مظلوم مسلمانوں کی حالت زار کا تذکرہ ہے جو لاکھوں کی تعداد میں سالہا سال سے بنگلہ دیش کے کیمپوں، پہاڑوں اور جنگلوں میں جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے برما کی حکومت کے ظلم وستم سے تنگ آ کر بنگلہ دیش میں پناہ لی، مگر ان کو یہاں خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا اور وہ عیسائی مشنری اور اقوام متحدہ کے کارکنوں کے رحم وکرم پر ہیں۔ ان کی کسمپرسی اور بدحالی کے مختلف مناظر، رنگین تصاویر کے ذریعے دکھائے گئے ہیں۔ اس حالت میں اندیشہ ہے کہ وہ ایمان ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ ان مہاجرین کے ایمان واسلام کو سلامت رکھنے کے لیے وہاں دینی مدارس قائم کیے گئے ہیں، جن کی مالی معاونت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں کتابچے کے ناشر کی معرفت مولانا عبدالقدوس صاحب سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

(تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

❁ ❁ ❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By
Dr. Israr Ahmad

Surah Al-An'am

(The Cattle)

(Introduction to Surah Al-An'am and exposition of verses 1 – 20 of the same Surah, inclusive)

Translator's note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

Introduction to Surah 6, Al-An'am

Name

This Surah takes its name from verses 136, 138 and 139, in which some superstitious beliefs of the idolatrous Arabs concerning the lawfulness of some cattle (Arabic = an`am) and the unlawfulness of some others have been refuted.

Period of Revelation

According to a tradition of Ibn Abbas *(RA)*, the whole of the Surah was revealed at one sitting at Makkah. We also learn from other traditions that the Holy Prophet *(SAAW)* dictated the whole of the Surah the same night that it was revealed. Moreover, the subject-matter of the Surah clearly shows that it must have been revealed during the last year of the Holy Prophet's *(SWT)* life at Makkah (before the Hijrah to Madinah).

Occasion of Revelation

After determining the period of its revelation, it is easier to visualize the background of the Surah. Twelve years had passed since the Holy Prophet *(SAAW)* had been inviting the people to Islam. The antagonism and persecution by the *Quraish* had become most savage and brutal, and the majority of the Muslims had to leave their homes and migrate to Abyssinia. Above all, the two great supporters of the Holy Prophet *(SAAW)* Abu Talib and Hadrat Khadijah *(RA)*, were no more to help and give strength to him *(SAAW)*. Thus he *(SAAW)* was deprived of all the worldly support. Despite all this, he *(SAAW)* carried on his *(SAAW)* mission in the teeth of opposition. As a result, whilst on the one hand, all the good people of Makkah and the surrounding clans gradually began to accept Islam; on the other hand, the community of Makkah as a whole, was bent upon obduracy and rejection. Therefore, if anyone showed any inclination towards Islam, he was subjected to taunts and derision, physical violence and social boycott. It was in these dark circumstances that a ray of hope gleamed from Yathrab, where Islam began to spread freely by the efforts of some influential people of Aus and Khazraj, who had embraced Islam

at Makkah. This was a humble beginning in the march of Islam towards success and none could foresee at that time the great potentialities that lay hidden in it. For, to a casual observer, it appeared at that time as if Islam was merely a weak movement with no material backing except the meagre support of the Prophet's *(SAAW)* own family and of the few poor adherents of the Movement. Obviously the latter could not give much help because they themselves had been cast out by their own people who had become their enemies and were persecuting them.

Topics

These were the conditions, when this discourse was revealed. The main topics dealt with in this discourse may be divided under seven headings:

- Refutation of shirk (polytheism) and invitation to the creed of Tauhid (monotheism).
- Enunciation of the doctrine of the "Life-after-Death" and refutation of the wrong notion that there was nothing beyond this worldly life.
- Refutation of the prevalent superstitions.
- Enunciation of the fundamental moral principles for the building up of the Islamic Society.
- Answers to the objections raised against the person of the Holy Prophet *(SAAW)* and his *(SAAW)* mission.
- Comfort and encouragement to the Holy Prophet *(SAAW)* and his followers *(RA)* who were at that time in a state of anxiety and despondency because of the apparent failure of the mission.
- Admonition, warning and threats to the disbelievers and opponents to give up their apathy and haughtiness.

It must, however, be noted that the above topics have not been dealt with one by one under separate headings, but the discourse goes on as a continuous whole and these topics come under discussion constantly in various different ways.

The Background of Makki Surahs (also known as Makkan Surahs; Surahs revealed in Makkah)

As this is the first long Makki Surah in the order of the compilation of the Quran, it will be useful to explain the historical background of Makki Surahs in general, so that the reader may easily understand the Makki Surahs and our references to its different stages in connection with the exposition on them.

First of all, it should be noted that comparatively very little material is available in regard to the background of the revelation of Makki Surahs whereas the period of the revelation of all the Madani Surahs (a.k.a. Madinian Surahs; Surahs revealed in Madinah) is known or can be determined with a little effort. There are authentic traditions even in regard to the occasions of the revelation of the majority of the verses. On the other hand, we do not have such detailed information regarding the Makki Surahs. There are only a few Surahs and verses which have authentic traditions concerning the exact time and precise occasion of their revelation. This is because the history of the Makki period had not been compiled in such detail as that of the Madani period. Therefore we have to depend on the internal evidence of these Surahs for determining the period of their revelation, mainly the topics they discuss and their subject-matter, their style and the direct or indirect references to the events and the occasions of their revelation. Therefore, it is obvious that with the help of such "circumstantial evidence", we cannot say with absolute certainty that such and such Surah or verse was revealed on such and such an occasion. The most we can do is to compare the internal evidence of a Surah with the events of the life of the Holy Prophet *(SAAW)* at Makkah, and then come to a more or less "calculated conclusion" as to what particular stage a certain Surah belongs.

If we keep the above things in view, the history of the mission of the Holy Prophet *(SAAW)* at Makkah can be divided into approximately four stages.

The first stage began with his *(SAAW)* appointment as a Messenger by Allah *(SWT)* and ended with his *(SAAW)* proclamation of Prophethood and Messengership three years later. During this period the Message

was given secretly to some selected persons only, but the common people of Makkah were not aware of it.

The second stage lasted for two years after the proclamation of his *(SAAW)* Prophethood and Messengership. It began with opposition by individuals: then by and by, it took the shape of antagonism, ridicule, derision, accusation, abuse, and false propaganda. Finally in the second stage, gangs were formed to persecute those Muslims who were comparatively poor, weak and helpless.

The third stage lasted for about six years from the beginning of the persecution mentioned in stage two to the death of Abu Talib and Hadrat Khadijah *(RA)* in the tenth year of Prophethood. During this period, the persecution of the Muslims became so savage and brutal that many of them were forced to migrate to Abyssinia. Social and economic boycott was applied against the Holy Prophet *(SAAW)* and the members of his family *(RA)*, and those Muslims *(RA)* who continued to stay in Makkah were forced to take refuge in Shi'b-i-A'bi Talib, which was besieged.

The fourth stage lasted for about three years from the tenth to the thirteenth year of Prophethood. This was a period of hard trials and grievous sufferings for the Holy Prophet *(SAAW)* and his followers *(RA)*. Life had become unendurable at Makkah and there appeared to be no place of refuge even outside it. So much so that when the Holy Prophet *(SAAW)* went to Ta'if, it offered no shelter or protection. Besides this, on the occasion of Hajj, he *(SAAW)* would appeal to each and every Arab clan to accept his *(SAAW)* invitation to Islam but met with blank refusal from every quarter. At the same time, the people of Makkah were holding counsels to "get rid of" him *(SAAW)* by killing or imprisoning or banishing him *(SAAW)* from the city. It was at that most critical time that Allah *(SWT)* opened for Islam the hearts of the Ansar *(RA)* of Yathrab where he *(SAAW)* migrated at their invitation.

Now that we have divided the life of the Holy Prophet *(SAAW)* at Makkah into four stages, it has become easier for us to tell, as far as possible, the particular stage in which a certain Makki Sarah was revealed. This is because the Surahs belonging to a particular stage can be distinguished from those of the other stages with the help of

their subject matter and style. Besides this, they also contain such references as throw light on the circumstances and events that form the background of their revelation. In the succeeding Makki Surahs, we will determine on the basis of the distinctive features of each stage and point out the particular stage in which a certain Makki Surah was revealed. As far as this Surah is concerned, its distinctive features help us to say with a fair degree of certainty that it was revealed towards the end of the fourth stage of the Makki period. *(And Allah (SWT) Knows Best!)*

Subject: Islamic Creed

This Surah mainly discusses the different aspects of the major articles of the Islamic Creed: Tauhid, Prophethood and Life-after-Death, and their practical application to human life. Side by side with this, it refutes the erroneous beliefs of the opponents and answers their objections, warns and admonishes them and comforts the Holy Prophet *(SAAW)* and his followers *(RA)*, who were then suffering from persecution. Of course, these themes have not been dealt with under separate heads but have been blended in an excellent manner.

Topics and their Interconnection

Verses 1 – 12: These verses are of introductory and admonitory nature. The disbelievers have been warned that if they do not accept the Islamic Creed and refuse to follow the "Light" shown by the Revelation from the All-Knowing and All-Powerful Allah *(SWT)*, they would go to the same doom as the former disbelievers did. Their arguments for rejecting the Holy Prophet *(SAAW)* and the Revelation sent down to him *(SAAW)* have been refuted and a warning has been given to them that they should not be deluded by the respite that is being granted to them.

Verses 13 – 24: These verses inculcate Tauhid, and refute shirk which is the greatest obstacle in the way of its acceptance.

Verses 25 – 32: In these verses, a graphic scene of the life in the Hereafter has been depicted in order to warn the disbelievers of the consequences of the rejection of the Articles of Faith.